© rasailojaraid.com

سُنت و بدعت کی کشمکش

یہ وہ تقریر ہے۔ جو محترم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی پاکستان نے ۱۷؍ جولائی ۱۹۵۳ء کو باغ بیرون دہلی دروازہ لاہور کے جلسۂ عام میں جو جماعت اسلامی شہر لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا، پیش فرمائی۔ جیل ماہ کی نظر بندی کے بعد پبلک سے موصوف کا یہ پہلا خطاب عام تھا۔ راقم الحروف نے تقریر کے جو نوٹ لئے تھے۔ اُن کو بطور خود مرتب کر کے اشاعت کے لئے دیا جا رہا ہے مولانا موصوف اس کی نظر ثانی کرنے سے پہلے ہی دورے پر تشریف لے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ لفظی ردو بدل پایا جائے تاہم مطالب جوں کے توں ہیں۔ (ان۔ ص)

بعد حمد و ثنا فرمایا۔

حاضرین و حاضرات! آپ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں۔ اور ہر مسلمان کا یہ زندہ ایمان ہے۔ کہ ہمارے لئے حقیقی عہد سعادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کا عہد ہے۔ اس عہد کی خصوصیات اور اس کی برکات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا تو یہ موقع نہیں، کیونکہ جو کچھ مجھے عرض کرنا ہے اس کا اصل موضوع یہ نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ہماری تمام کوششوں کا ہدف اور اصل مقصود وہی عہد ہے اس لئے سب سے پہلے میں مختصر طور پر آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس عہد کی خصوصیات اور برکات کیا تھیں۔

عہد سعادت کی خصوصیات اس کی اولین خصوصیت یہ تھی۔ کہ اس عہد میں ہمارے اندر پوری پوری وحدت فکر موجود تھی اللہ تعالیٰ کی توحید، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت۔ قرآن مجید کو اپنی زندگی کا قانون تسلیم کرنا، آخرت کی جوابدہی و مسئولیت کا یقین ـــــ یہ وہ چیزیں تھیں جن پر تمام لوگ جو اس عہد کی مسلم سوسائٹی میں شامل تھے، پوری طرح متحد تھے۔ اگر کچھ فرق تھا تو اس لحاظ سے کہ ایک دیہاتی کا فہم کچھ اور تھا اور صاحب فکر کا فہم اور تھا۔ فہم کے مدارج میں ضرور فرق تھا۔ لیکن اس لحاظ سے کوئی فرق نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہے۔ یا نہیں اور محمد صلعم کی ہدایت اصل ہدایت ہے یا نہیں۔ ایسا نہیں تھا۔ کہ کوئی ان باتوں کو مانتا ہو۔ اور کوئی ان میں شک رکھتا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح دنیوی زندگی کے بارے میں ہر شخص یہ سمجھتا تھا۔ کہ یہ ایک عارضی زندگی ہے جس کے بارے میں ایک دن جواب دہی کرنی ہوگی۔ اور اس زندگی کے نتائج آخرت میں ملیں گے۔ اور وہی اصلی اور حقیقی نتیجے ہیں۔

یہ وحدت فکر پوری مسلم سوسائٹی میں قائم تھی۔

پھر اس دورِ سعادت میں وحدتِ مقصد بھی تھی۔ پوری جماعت اچھی طرح سمجھتی تھی۔ کہ اس کا مقصد اللہ کا بول بالا کرنا۔ معروف کو پھیلانا اور منکر کو مٹانا ہے۔ ایک ایک فرد جانتا تھا۔ کہ اس کے علاوہ اس کی زندگی کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے۔ اس بارے میں بھی کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں تھا۔

پھر ان دونوں کے ساتھ وحدت جماعت بھی تھی۔ پوری جماعت ایک صالح اقتدار کی مطیع فرمان اور ایک مرکز سے وابستہ تھی۔ کسی قسم کا انتشار اور تفرقہ نہ تھا۔ اور جماعت میں کوئی ابتری نہ تھی۔

اس دور کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی۔ کہ بحیثیت مجموعی اخلاق عامہ کا معیار بلند تھا۔ اور احترام کی بنا اخلاق پر ہی۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ جرم اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے سرے سے تھے ہی نہیں۔ اور سب اخلاقی حیثیت سے ایک ہی بلند ترین معیار پر قائم تھے۔ بلکہ سوادِ اعظم کا اخلاق بلند تھا۔ گرے ہوئے اخلاق کے نمونے بہت ہی قلیل تعداد میں پائے جاتے تھے۔ نیز اس دور میں قیادت کی باگیں صالح ہاتھوں میں تھیں۔ اس معاملے میں عوام کی نگاہیں ان لوگوں پر جمتی تھیں۔ جو ان میں سے پاکیزہ ترین لوگ تھے۔ ملک میں جو لگڑے ہوئے لوگ پائے جاتے تھے۔ وہ گرے اور دبے ہوئے تھے۔ وہ آگے چلنے والے نہیں تھے۔ آگے صرف وہ لوگ آتے تھے۔ جو اخلاقی لحاظ سے بہترین اور پاکیزہ اخلاق رکھنے والے تھے۔

عہدِ سعادت کی برکات اس عہدِ سعادت کی برکات میں سے اولین چیز امن و اطمینان تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ ایسی سوسائٹی جس میں صداقت۔ دیانت اور راستبازی اور انصاف کے اوصاف موجود ہوں۔ اس میں ہر آدمی دوسرے شخص سے معاملہ کرے گا تو پورے اطمینان سے کرے گا کہ وہ ایک ایماندار شخص سے معاملہ کر رہا ہے۔ جو امانت میں خیانت نہیں کرے گا جھوٹا قول و قرار نہیں کرے گا۔ اور بے انصافی سے کام نہیں لے گا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس طرح کی سوسائٹی میں کتنا امن اور اطمینان ہوگا۔

پھر ایک عظیم الشان برکت یہ تھی۔ کہ اس دور میں سوسائٹی کا نظام تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیٰ الاثم والعدوان کے اصول پر قائم تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کا ہر وہ کام جو کیا جا رہا ہو لازم ہے کہ اسے پروان چڑھانے میں سب کے سب شریک ہوں۔ لیکن اگر کوئی بدی سر اٹھائے تو کوئی اُس کا ساتھ دینے کے لئے نہ اُٹھے۔ بلکہ سب کے سب مل کر اس کے روکنے اور دبانے کے لئے زور لگائیں۔ اس چیز نے ایک صالح تمدن پیدا کیا جس میں بھلائیاں پروان چڑھتی تھیں، اور برائیاں دبتی تھیں۔

یہ تو تھیں اندرونی برکات۔ لیکن جب سوسائٹی اعلائے کلمۃ اللہ کے ابتدائی مراحل کو طے کر کے ملک کی اندرونی اصلاح سے فارغ ہوئی تو اُسکے لئے ساری دنیا کی اصلاح کے لئے نکل کھڑی ہوئی۔ آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ چند ہی سال میں وہ آدھی دنیا کے اوپر پوری طرح چھا گئی۔ اس کے کارکن اور کارفرما جہاں پہنچے انہوں نے برائیوں کو مٹایا بھلائیوں کو پروان چڑھایا۔ انصاف کی حکومت قائم کی اور اسی صالح تمدن کو نشو و نما دی جس کی برکات سے وہ خود بہرہ یاب ہو چکے تھے۔

<u>عہد سعادت کے بعد امت کے دو گروہ</u>: جب یہ عہد سعادت گزر گیا تو اس کے بعد مسلمانوں کی امت دو بڑے حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصہ اہل بدعت کا، دوسرا حصہ اہل سنت کا۔

میں بدعت کا لفظ ان محدود معنوں میں نہیں بول رہا ہوں جن میں عام طور پر یہ بولا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کے اصل معنی یہ ہیں کہ اسلام کے نظام اور اسلامی زندگی میں اسلام سے باہر کی کوئی ایسی چیز لے آنا جو اس کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ اس مفہوم کو واضح کرنے کے سلسلے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ مدرسے کا ایک خاص نظام اور اس کی ایک خاص فضا ہوتی ہے جس کا لحاظ ہیڈ ماسٹر کو رکھنا پڑتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے بچے کو مدرسے میں داخل کرائے۔ اور وہاں اسکے بیٹھنے کے لئے صوفہ لا کر رکھ دے اور ایک خادم کھڑا کر دے۔ جو اسے پنکھا جھلتا رہے تو مدرسے کا ہیڈ ماسٹر صاف صاف کہے گا کہ اس نظام میں ان چیزوں کی گنجائش نہیں۔ یہاں کسی اجنبی چیز کو داخل کرنے کی حرکت نہیں کی جا سکتی۔ بخلاف اس کے اگر ایک لنگڑا بچہ مدرسے میں داخل ہو تو باوجودیکہ مدرسے میں لاٹھی اور لکڑی لے کے آنا قاعدے کے خلاف ہے۔ لیکن لنگڑے بچے کو اجازت دی جائیگی کہ وہ لکڑی کا سہارا لے سکے کیونکہ یہ اس کی ایک حقیقی ضرورت ہے۔ لیکن صوفے اور پنکھا جھلنے والے خادم کے لئے مدرسے کے نظم میں کوئی گنجائش نہیں نکالی جا سکتی۔ اس مثال سے آپ بدعت کا مفہوم سمجھ سکتے ہیں۔ اسلام میں کسی ایسی چیز کو لا کے داخل کر

© rasailojaraid.com

دینا جو اس کے اصولوں اور اس کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ بدعت کی تعریف میں آتی ہے

سنت کا مطلب اس طریقے کے مطابق کام کرنا ہے جس پر نبی صلعم نے اسلام کے نظام کو قائم کیا تھا۔ اسلام میں جن معاملات کے لیے صاف صاف حکم نہ ملتا ہو۔ ان کے بارے میں اصولوں کو سامنے رکھ کر اور اُن کے تقاضوں کو سمجھ کر کوئی حکم نکالنا بدعت نہیں، اجتہاد ہے۔ اور یہ عین سنت کے مطابق ہے۔ یہی سنت کا طریقہ تھا جس پر دورِ سعادت کے لوگ قائم تھے۔

تب سے جب بدعت کا آغاز ہوا تو اُمت دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک اہلِ بدعت تھے جو بیرونی فلسفوں اور بیرونی مذہبوں سے متاثر ہوئے اور اُنہوں نے باہر سے کچھ چیزیں لا کر اسلام میں کھپانے کی کوشش کی۔ اُنہوں نے اسلامی نظام پر بیرونی تہذیب و تمدن کا رنگ چڑھانا چاہا۔

دوسری طرف ایک گروہ اہلِ سنت کا تھا۔ جو صدقِ دل سے اس بات کو مانتا تھا کہ ہمارے اصول، ہمارا نظام اور ہمارا تمدن وہ ہے۔ جو نبی صلعم اور خلفائے راشدین کے وقت میں تھا۔ اس گروہ کی پوری کوشش یہ تھی کہ زندگی ٹھیک انہی اصولوں پر قائم رہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے۔

اہلِ سنت اور اہلِ بدعت کی کشمکش| ان دونوں گروہوں میں کشمکش بنی اُمیہ کے دور میں شروع ہو گئی اور آج تک چلی آ رہی ہے۔ بنو امیہ نے ملوکیت اور قیصریت کی بدعت کو لا کے اسلام میں داخل کر دیا۔ اہلِ سنت نے لیٹ کے سر دھڑ کی بازی لگا دی، کوڑے کھائے، بال بچے کٹوا دیئے۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اُنہوں نے ہر طرح کی قربانیاں دیں۔ تاکہ بدعت کا یہ سیلاب پھیلنے نہ پائے۔ پھر آگے چل کر بنو عباس کے زمانے میں بیرونی فلسفے بیرونی مذاہب اور غیر اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات داخل ہونے شروع ہوئے۔ اہلِ بدعت وہ سارے کام کرنا چاہتے تھے۔ جن سے اسلامی زندگی مسخ ہو۔ دوسری طرف اہلِ سنت برابر کوشش کرتے رہے۔ کہ یہ چوٹیں کے دروازے بند ہوں۔ اور صحیح اسلام اپنی اصلی صورت میں قائم رہ سکے۔

اسلامی سوسائٹی میں بدعت کا ظہور اصل سبب انتشار ہے۔ لفظ انتشار اجتماع کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ اسلامی سوسائٹی میں اجتماع کی بنیاد محمد صلعم کی پیروی، قرآن کے اتباع، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے جمع ہونے پر ہے۔ اس لئے ہر وہ چیز جو اس بنیاد سے ہٹانے والی ہو، سبب انتشار ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کے فضل سے مسلمان کبھی بدعت پر جمع نہیں ہوئے۔ گمراہیاں ضرور پھیلیں، لیکن یہ بات کبھی نہیں ہوئی کہ ساری امت بدعت پر جمع ہو جاتی۔ امت کی اکثریت اور اس کے سواد اعظم نے ہمیشہ سنت کو ہی مرکز مانا ہے۔ اور اسی کا اعتراف اکثر و اپنے سالہا سال کے انحطاط کے باوجود مسلمانوں نے بدعت کو کبھی پسند نہیں کیا۔ آج بھی دیکھ لیجئے کہ اگرچہ پچھلی تاریخ میں بڑے بڑے بادشاہ بڑے بڑے سپہ سالار اور جرنیل اور بڑے بڑے لیڈر اور دولت مند گذر چکے ہیں لیکن کیا ان میں سے کسی کی عقیدت بھی مسلمان عوام میں اس حد تک ہے جیسی امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور شاہ ولی اللہ جیسے اکابر کی ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان چاہے کتنے ہی بگڑ گئے ہوں۔ بہرحال وہ بدعت کو ناپسند کرتے ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بڑی دردناک ہے کہ اگرچہ ہماری اکثریت ہمیشہ بدعت پر اکڑنے والوں پر ناک بھوں چڑھاتی ہی رہی ہے۔ ہماری سیاسی اور معاشی اقتدار کی باگیں صدیوں سے اہل بدعت ہی کے ہاتھوں میں چلی آ رہی ہیں۔ اس وجہ سے نظام زندگی درست ہو کر عہد سعادت کی طرف نہ پلٹ سکا۔

فرنگی غلبے کا دور اور اہل بدعت کی اقسام | اس کے بعد وہ دور آیا کہ اہل مغرب ساری دنیا پر چھا گئے۔ کہیں تو مسلمان ملکوں پر ان کی حکومتیں براہ راست قائم ہو گئیں۔ اور کہیں مغرب کے عالمگیر غلبے کے اثر سے وہ قومیں جو آزاد سمجھی جاتی تھیں علمی و ذہنی اور معاشی حیثیت سے غلام بن گئیں۔

(۱) **منحرفین** | اس دور میں اہل بدعت کی دو قسمیں سامنے مسلمان ملکوں میں پھیل گئیں۔ ایک قسم ان اہل بدعت کی تھی جو اسلام سے کھلم کھلا منحرف ہو گئے۔ ان کو تعلیم اور اقتدار نے یہ سبق دیا کہ تم اسلام پر چل کر ترقی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ انہیں اس میں شک ہو گیا کہ خدا ہے یا نہیں۔ اور رسول کو خدا نے بھیجا تھا۔ یا قرآن آنحضور صلعم نے خود ہی گھڑ لیا تھا۔ انہیں یہ یقین ہی نہ رہا کہ فی الواقع اسلام زندگی کا نظام بننے کے قابل ہے بھی۔

عملی حیثیت سے اہل بدعت کی اس قسم نے غیر اسلامی طور طریقوں اور غیر اسلامی انداز کو پوری طرح قبول کر لیا۔ اور حلال و حرام کی تمیز کو خارج از بحث قرار دیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو اپنے گھروں کو اور اپنی اولاد کو سراسر غیر اسلامی تہذیب میں رنگ دیا۔ اور پھر پوری کوشش شروع کی کہ ان کی ساری قوم اسی رنگ میں رنگ جائے۔

اہل بدعت کی یہ قسم تمام مسلمان ممالک میں پیدا ہوئی اور کوئی ملک اس سے بچ نہیں سکا۔

(۲) **محرفین** | دوسری قسم اہل بدعت کی وہ ہے جن کے نزدیک ساری اقدار کا اصل معیار خیر و شر، تہذیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اصول اور علوم و افکار کی حیثیت میں قابل قبول وہی ہیں۔ جو مغرب سے آئی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے کی وجہ سے انہیں اسلام سے جو پیدائشی عقیدت ہے، اسے یہ چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں۔ ان کی خواہش یہ ہے کہ یہ جدھر جائیں اسلام بھی ان کے پیچھے پیچھے ادھر گھومتا جائے۔ اس مقصد کے لئے یہ نیا اسلام تصنیف کرنے کی کوشش میں لگے ہیں، جو ان کی پسندیدہ اقدار کے مطابق ہو۔ اس نئے اسلام کی قرآن و حدیث اصل بنیادیں نہیں ہیں، بلکہ اصل بنیادیں وہ مغربی افکار ہیں جو فضا میں چھائے ہوئے ہیں۔ ان حضرات میں سے بعض نے حدیث کو تو نظامِ دین میں سے بالکل خارج کر دیا ہے۔ اور اگر بعض نے حدیث اور فقہ کو لیا بھی ہے۔ تو اس طرح کہ وہ چیزیں جو ان کا ساتھ دے سکیں، ان کو اختیار کر لیا جائے اور بقیہ کو چھوڑ دیا جائے۔

اہل بدعت کی یہ قسم بھی تمام مسلمان ملکوں میں پائی جاتی ہے۔ اور خود ہمارے ملک میں بھی موجود ہے لیکن اب تک کسی ملک میں بھی عام مسلمانوں کی اکثریت نے ان اہل بدعت کو پسند نہیں کیا اور نہ کسی جگہ کی اکثریت ان کے حق میں ہموار ہو سکی ہے۔ ترکی، ایران، مصر وغیرہ میں سے کوئی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں عوام نے اہل بدعت کی رہنمائی کو حقیقی معنوں میں تسلیم کیا ہو اور اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھال لیا ہو۔ یہ گروہ ہر جگہ اقلیت میں ہے۔ اور اس کے خلاف ہر جگہ کشمکش جاری ہے، کہیں نمایاں طور پر اور کہیں دبی دبی۔

یہ البتہ بدقسمتی کی بات ہے کہ کوئی ایک مسلمان ملک بھی ایسا نہیں ہے جس کے آزاد سیاسی نظام میں اقتدار کی باگیں اہل سنت کے ہاتھ میں ہوں۔ ہر جگہ اقتدار پر قبضہ اہل بدعت ہی کا ہے۔ اور چونکہ یہ لوگ اپنی سوسائٹی کے لوگ ہیں، اپنے گھر کے ہیں، اس لئے پوری بے باکی کے ساتھ تعلیم کی طاقت کو، پولیس اور فوج کی طاقت کو اور معاشی طاقت کو اس مقصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں کہ سوسائٹی کے مزاج کو بہ حیثیت مجموعی (Convert) کر لیا جائے یہ صورت احوال سارے ملکوں میں ہے۔ اور اس کی وجہ سے ایک کشمکش سارے ملکوں میں ہو رہی ہے۔

اب میں مختصر طور پر یہ بتاؤں گا کہ خود ہمارے ملک میں تقسیم سے پہلے کی صورت حالات کیا تھی۔

تقسیم سے پہلے کی صورت حالات تقسیم سے پہلے یہاں بعض ایسے اسباب کارفرما تھے۔ کہ اس ملک میں سارے ملکوں سے اسلام کا اثر زیادہ گہرا تھا۔ گزشتہ تین سو برس میں اسلام کو از سر نو زندہ اور تازہ کرنے کی جتنی معتدل تحریکیں اٹھیں، ان میں سے سب سے زیادہ اسی ملک میں اٹھیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک اسی ملک میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٹھیں۔ پھر شاہ ولی اللہؒ اور اُن کے خاندان کی طرف سے اسلام کو زندہ کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد بھی متعدد کوششیں نہایت معقول اور زبردست طریق سے کی گئیں۔ کسی دوسرے ملک حتیٰ کہ مصر میں بھی اس پایہ کی اور اس قدر معقول کوششیں نہیں ہوئیں۔

یہ ایک بڑا سبب تھا کہ اسلام سے عقیدت، اسلام کا فہم اور اس کے بارے میں زندگی کے لئے رہنمائی کے قابل ہونے کا یقین جتنا اس ملک میں تھا اور کہیں نہیں تھا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ اس ملک پر باہر کی ایک قوم حکمران تھی جس کے مٹھی بھر آدمی حکومت کر رہے تھے۔ وہ اس بات کی جراٴت بھی نہ رکھتے تھے اور ان کے پاس ایسے ذرائع بھی نہ تھے کہ ہماری اندرونی زندگی میں پوری طرح گھس کر اسے اندر سے مسخ کر سکیں۔ انہوں نے باہر سے ہر طرح کے طریقے اختیار کر کے تعلیم، معاشرت اور تمدن پر اثر ڈالا کہ ان کی تہذیب سے مطابقت رکھنے والی جتنی بدعات ہیں ان کو فروغ حاصل ہو۔ اور ان بدعات کے علمبرداروں کو چھانٹ چھانٹ کر اوپر لایا جائے۔ یہ ساری کوششیں اُس بیرونی قوم نے کیں۔ لیکن سوسائٹی میں گھس کر اندر سے تبدیل کرنے کا موقع اُس کو نہ ملا تاہم یہ واقعہ ہے۔ کہ انگریز کی سرپرستی اور پشتیبانی کے تحت اس ملک میں زندگی کے ہر شعبے کی قیادت و رہنمائی اہل بدعت ہی کو حاصل رہی۔ وہی پیش پیش رہے۔ معاملات کی باگیں انہیں نے سنبھالیں اور وہی ذریعہ بنے حاکم اور محکوم کے درمیان رابطے کا۔ حاکم نے آسمان فرماں روائی سے جو نعمتیں بھی نازل کیں اہل بدعت کی وساطت سے کیں۔ اور محکوم نے جتنی دعائیں خداوندان مجازی سے کیں۔ انہیں کی وساطت سے کیں اس طرح سیاست و معیشت میں قیادت انہیں کے ہاتھ رہی۔

اہل بدعت کا تیسرا گروہ۔ منافقین اگرچہ قوم چونکہ اسلام کی معتقد تھی اس لئے یہاں اہل بدعت کا ایک تیسرا گروہ بڑے پیمانہ پر پیدا ہو گیا ہے۔ یہ گروہ منافقین کا گروہ ہے۔ یہ لوگ تھے تو متجددین اور دراصل متغربین کے ہم خیال، لیکن انہوں نے چولا بدلا اور دعویٰ کیا۔ کہ تجدید و احیائے اسلام کا کام ہمارے ہاتھوں سے ہوگا۔ چنانچہ اس گروہ کو سب سے زیادہ ترقی حاصل ہوئی۔ اور یہی گروہ تقسیم سے پہلے کی صورت حالات میں قوم کی سیاسی امامت پر قابض ہو گیا۔

مسلمان قوم نے جب یہ محسوس کیا۔ کہ ہندو قوم کے اقتدار کے نیچے ان کی کوئی زندگی نہیں ہے۔ تو ان میں پاکستان کا مطالبہ پیدا ہوا۔ اور اس مطالبے کے لئے سیاسی تحریک نمودار ہوئی۔ اس وقت جس چیز نے تمام مسلمانوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو متحد کیا وہ صرف یہ چیز ہے کہ ان کو امید دلائی گئی کہ پاکستان اگر قائم ہوگا تو اس میں اصل اسلام کو پھر تازہ اور زندہ کیا جائیگا۔ پورا نظام زندگی اسلامی بنیادوں پر پھر قائم کیا جائیگا۔ سوسائٹی کا مقصد زندگی وہی ہوگا جو مسلمان کا مقصد زندگی ہے۔ اس امید پر قوم من حیث القوم مطالبۂ پاکستان کے لئے میدان میں نکل آئی۔ اس کے لئے جو جدوجہد کی گئی اس میں مخلص اہل سنت اور دین سے محبت رکھنے والے عوام، دین سے منحرف اور منافقین سب متفق ہو گئے۔

یہاں ایک [illegible] افسوس ناک صورت حالات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس [illegible] میں جو اہل خلوص تھے انہوں نے تو صرف کام سے غرض رکھی اور جو منحرف اور منافق تھے انہوں نے نام سے غرض رکھی اور جاہ کے حصول پر توجہ کی چنانچہ اس تحریک کے دوران میں اہل خلوص پیچھے رہ گئے کیونکہ وہ جاہ طلب اور اقتدار کے لئے جدوجہد کرنے والے نہ تھے۔ لیکن منافقین نے پوری کوشش کی کہ پاکستان بنے تو پورا نظم و نسق ہمارے ہاتھوں میں آجائے۔ انہی حالات میں ۴۷ء کا انقلاب واقع ہوا۔

یہ انقلاب ابھی آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔ آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ جس گروہ کا میں ذکر کر رہا ہوں اس انقلاب کے دوران میں اس کا رویہ کیا تھا جتنی لوٹ کھسوٹ ہوئی ہے انہی کے ہاتھوں ہوئی ہے اموال متروکہ پر ناجائز قبضے حاصل کرنے اور اپنے عزیزوں دوستوں کو دلانے کے لئے انہی نے تگ و دو کی ہے، معاشی ذرائع پر بھی یہی قابض ہوئے ہیں۔ اقتدار کی کنجیوں پر انہی کو قبضہ حاصل ہوا۔ قوم لٹ رہی تھی۔ اور یہاں گلچھرے اڑ رہے تھے۔ مخلص کارکن جن کی قربانیوں سے ہی دراصل یہ انقلاب ہوا تھا۔ دودھ کی مکھی کی طرح الگ نکال پھینکے گئے اور ان کو وہ کچھ بھی نہ ملا جس کے وہ واقعی مستحق اور حاجت مند تھے۔

انقلاب ۴۷ء کے بعد اس کے بعد جب انقلاب کا دور گزر گیا۔ تو جیسا کہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے۔ اس گروہ نے عجیب و غریب رویہ اختیار کیا۔ وہ تمام مواعید جو تحریک پاکستان کے دوران میں اسلامی نظام قائم کرنے کے کئے گئے تھے انہیں کھلم کھلا بھلا دیا گیا۔ صاف صاف کہا گیا کہ کون کہتا ہے کہ یہاں اسلامی نظام قائم کیا جائے گا؟ پاکستان تھیوکریٹک سٹیٹ نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک غیر مذہبی (Secular) اسٹیٹ ہوگا۔ لوگوں کی طرف سے جب ان باتوں کو سن کر پرانے وعدے یاد دلائے جانے لگے تو یہ سوال اٹھایا گیا کہ کونسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممکن نہ رہا کہ عوام کو مسلسل Convinced کیا جا سکے۔

جب حالات یہاں تک پہنچ گئے۔ تو ان حضرات کو یہ غلط فہمی لاحق ہوئی کہ یہ ساری شرارت ایک جماعت کی ہے اور اس جماعت میں بھی ایک شریر شخص ایسا ہے جو ان حرکتوں کا اصل ذمہ دار ہے چنانچہ جھوٹ اور مکر کی تمام توپوں کا رُخ اُس ایک جماعت اور اُس ایک شخص کی طرف پھیر دیا گیا۔ آپ شاہد ہیں۔ کہ ان حضرات نے کیا کیا طوفان اٹھائے پھر انہوں نے اپنی غلط فہمی کی بنا پر اُس ایک شخص اور اس کے دو مددگاروں کو میدان سے ہٹا دیا۔ لیکن بعد میں یہ غلط فہمی رفع ہو گئی کہ یہ ساری شرارت ایک شخص اور اس کے چند ہم نواؤں کی ہے۔ بلکہ ان پر یہ واضح ہو گیا۔ کہ مسلمانوں کی عظیم الشان اکثریت اس مطالبہ کی پشت پر ہے۔ کہ پاکستان کا نظام اسلامی ہونا چاہیئے تمام اہل سنت یعنی وہ لوگ جو قرآن اور رسُولؐ کو حجت مانتے ہیں مطالبے کے پیچھے تھے۔ اور یہ ان کے دلوں کی آواز تھی۔ ان کا زور برابر بڑھتا گیا جس کے نتیجے میں قرار دادِ مقاصد پاس کرنی پڑی۔

قرار دادِ مقاصد کی آئینی حیثیت قرار دادِ مقاصد کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک آئینی، دوسری عملی۔ لوگ ان دونوں حیثیتوں کو بالعموم گڈمڈ کر دیتے ہیں۔

اس قرار داد کی آئینی حیثیت یہ ہے۔ کہ تمام باشندگانِ پاکستان کی طرف سے ان کے مطالبے کی بنا پر دستور ساز اسمبلی میں شریک ہونے والے نمائندوں نے یہ قرار داد پاس کی ہے۔ انہوں نے پوری قوم کی طرف سے کلمۂ اسلام پڑھا ہے۔ یہ اسمبلی درحقیقت قوم کی زبان ہے۔ پس دستوری حیثیت سے قوم اگر کلمہ پڑھ سکتی تھی۔ تو اپنی اسی زبان سے پڑھ سکتی تھی۔ چنانچہ قوم نے جب کلمہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو اپنی زبان کو مجبور کیا۔ کہ وہ کلمۂ طیبہ پڑھے۔ دستور یہ کے کلمہ پڑھ لینے سے اب ریاست کی اصولی حیثیت متعین ہو گئی ہے۔

اس قرار داد کے ذریعے پہلی چیز جس کا اقرار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کائنات کا فرماں روا اللہ تعالیٰ ہے۔ اگرچہ صاف طریقے سے یہ نہیں کہا گیا کہ وہ پاکستان کا بادشاہ ہے۔ لیکن پاکستان بہرحال کائنات کا جزو ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سلطنت کا ایک حصہ ہے۔

دوسری چیز جو کہی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اختیارات باشندانِ ملک کو اُن کے منتخب نمائندوں کے ذریعے حدود اللہ کی پوری پابندی میں استعمال کرنے کے لیے تفویض کیے ہیں، وہ ایک مقدس امانت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ اس اقرار میں حسب ذیل تین پہلو اہم ہیں:-

(۱) ریاست کے اختیارات مستقل بالذات نہیں ہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے تفویض کردہ ہیں۔ خلافت کا تصور ٹھیک یہی ہے۔ کہ حکومت تفویض کردہ اختیارات کی حامل ہوتی ہے۔

(۲) یہ اختیارات کسی شخص یا خاندان کو تفویض نہیں کئے۔ بلکہ باشندگان ملک کی وساطت سے ان لوگوں کو عطا کئے ہیں جو منتخب کئے جائیں۔ یہ تصور اسلامی جمہوریت کو مغربی جمہوریت اور تھیوکریسی دونوں سے ممیز کرتا ہے۔ مغربی جمہوریت میں باشندگان ملک خود حاکم ہوتے ہیں۔ تھیوکریسی میں ایک طبقہ حاکم ہوتا ہے۔ لیکن اسلام میں حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور اسی نے نیابتی اختیارات پورے باشندگان ملک کو سونپے ہیں۔ اور باشندگان ملک انہیں ریاست کے حوالے کرتے ہیں۔ اسلامی جمہوریت عمومی خلافت (Popular Vicegerency) ہے۔ یہ یورپ کی مذہبی حکومت اور لادین جمہوریت دونوں سے الگ ایک تیسری چیز ہے۔

(۳) مقدس امانت کے الفاظ حکومت اور اس کے نائب اور اختیارات کی حیثیت کو پوری طرح واضح کرتے ہیں۔ ان الفاظ کی تشریح یہ ہے کہ اختیارات کو خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کیا جاتا ہے۔

ایک مسلمان محمد رسول اللہ کا کوئی تصور اس کے سوا نہیں رکھتا کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت نے جو حدیں مقرر کر دی ہیں۔ ان کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

ان باتوں کی وجہ سے اس قرارداد کے وہی معنی ہیں۔ جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ کے ہیں پس اس کلمے کو ادا کرنے کی وجہ سے ہماری ریاست اصولی حیثیت سے اسلامی ہو گئی ہے۔

قرارداد مقاصد کی عملی حیثیت | اب اس قرارداد کی عملی حیثیت کو لیجئے۔ درحقیقت یہ ایک ایسی بارش تھی کہ نہ جس کے پہلے کوئی گھٹا اٹھی اور نہ جس کے بعد کوئی روئیدگی پیدا ہوئی۔ اس قرارداد کے پاس ہونے کے دو چار دن پہلے تک بھی اس بات کے کوئی آثار نہ تھے۔ کہ کوئی واقعہ ہونے والا ہے۔ اس بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوا تک نہیں چلی۔ پانچ برس گزر جانے کے بعد معلوم ہوا کہ ایک اچانک حادثہ تھا۔ جو آیا اور گزر گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ قرارداد اس طرح پاس کی گئی ہے جس طرح ایک ہارا ہوا جواری اپنا آخری داؤں پھینکتا ہے جس زمانے میں یہ پاس ہوئی۔ اس زمانے میں میں تو جیل کی کھڑکیوں ہی سے جھانک سکتا تھا۔ لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ حاضر تھے۔ کیا ان لوگوں میں اس واقعہ کے ایک ہفتہ قبل، بلکہ ایک دن پہلے بھی کوئی ایسی تبدیلی پائی گئی جس سے آپ سمجھتے ہوں۔ کہ ان کی اقدار میں یا ان کے نقطۂ نظر میں کچھ فرق آ رہا ہے؟ ایک شخص اسلام قبول کرتا ہے تو اس میں یہ تبدیلی یکایک ایک منٹ میں نہیں آتی۔ وہ پہلے سے کچھ بدلنے لگتا ہے۔ اسے اسلام کی طرف آہستہ آہستہ رغبت ہوتی ہے۔ وہ اسے سمجھنے اور معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ الغرض اسمیں کوئی تمہیدی فرق رونما ہوتا ہے جس کے بعد وہ ارتقا کرتے کرتے جا کر کسی سے کہتا ہے کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ پھر اس میں کچھ بھی اخلاص ہوتا ہے تو وہ جا کر خود معلوم کرتا ہے کہ مجھے نماز سکھاؤ۔ وہ لباس کو بدلتا ہے۔ نام کو بدلتا ہے۔ اپنی دوستیوں کو بدلتا ہے۔ یہ ساری چیزیں وہ لاتا ہے۔ دنیا میں اور کسی جگہ آپ نہ دیکھیں گے کہ کوئی واقعہ ایسا اچانک ہو جائے کہ نہ پہلے سے اسکے کچھ آثار موجود ہوں۔ نہ بعد میں اس سے کوئی نتائج نمودار ہوں۔ حکومت کے رویئے میں قرارداد مقاصد سے ایک دن پہلے تک بھی کوئی تغیر نہیں آیا۔ ایک آدمی اگر کوئی عمارت بنانے کا اعلان کرتا ہے تو اور کچھ نہیں کرتا۔ تو کم سے کم اینٹ، چونا، لکڑی، کنڈیاں تلاش کرتا ہے۔ راج مزدوروں کی تلاش کرتا ہے۔ لیکن یہاں اسلامی نظام کی تعمیر کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے کسی طرح کی کوئی تیاری نہیں کی جاتی۔ نہ اس کے پہلے، نہ اس کے بعد۔

میں نے اور میرے رفقاء نے جب اخبارات میں یہ خبر پڑھی تو ہم سب کو قرارداد مقاصد کے پاس ہو جانے سے بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم بڑے اچنبھے میں مبتلا ہوا کہ اخبارات کے ذریعے اس قسم کے کوئی آثار معلوم نہ ہوتے تھے کہ کسی طرح کے تمہیدی تغیرات ہو رہے ہیں۔ پھر اس کے پاس ہونے کے بعد بھی انتظار رہا کہ اب تغیر شروع ہوتا ہے، اب تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ لیکن جب کچھ نہ ہوا تو میرے دل نے گواہی دی کہ ان حضرات کے قرارداد مقاصد پاس کرنے کی حیثیت بالکل ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی میم صاحبہ کسی مسلمان نواب یا رئیس زادے سے نکاح کرنا چاہے۔ اور وہ اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لیے وراثت کے حقوق اور مسلمان سوسائٹی میں برابری کے حقوق حاصل کرنے کے لئے کلمۂ اسلام پڑھ لے۔ لیکن نہ اس کلمے سے پہلے اسکی زندگی میں کوئی تغیر آئے نہ اس کے بعد کوئی تبدیلی رونما ہو۔ جیسی میم صاحبہ وہ پہلے تھیں ویسی ہی میم صاحبہ وہ بعد میں رہیں۔ ہمارے قرارداد مقاصد پاس کرنے والوں کا حال بھی ان میم صاحبہ کا سا ہے۔

دستور سازی: اب اگر اعتراض کیا جاتا ہے۔ تو کہا جاتا ہے کہ صاحب ابھی تو نیا آئین بن رہا ہے۔ اسکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکمل ہو جانے دیجئے۔ پھر دیکھئے گا۔ کہ یہ کیا کیا کرامتیں دکھاتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اس کی کوئی تیاری تو معلوم ہو۔ اگر یہ لوگ مخلص ہیں۔۔ تو نئے آئین کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی ضرورت کیا ہے۔ مکان کا نقشہ مکمل ہونے ہی اگر دیر ہے۔ تو اینٹ چونے کی فراہمی کی کچھ فکر تو شروع کر دیں۔ لیکن آثار اس کے بالکل برعکس ہیں۔ ساری توانائی مغربی تہذیب کو فروغ دینے کے لئے لگائی جا رہی ہے۔ اور سرکاری خرچ پر سرکاری سرپرستی میں پوری کوشش ہو رہی ہے۔ کہ اسلامی اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کر دی جائیں جس طرح قرارداد مقاصد سے پہلے لوگوں کے ذہن میں انتشار پیدا کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں۔ اسی طرح اب قرارداد مقاصد کے بعد عوام میں ذہنی انتشار پھیلانے کے لئے اسلام کی عجیب عجیب تاویلیں کی جا رہی ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ بجائے اس کے کہ لوگ اسلام کا واضح تصور حاصل کریں اور متحدہ طاقت سے اسلامی زندگی کی تعمیر میں حصہ لیں۔ ان کے دماغوں میں الجھنیں پیدا ہو جائیں۔

دستور سازی کا کام جس کے جلد انجام پانے کی امیدیں دلائی جا رہی ہیں۔ وہ کن لوگوں کے سپرد کیا گیا ہے؟ آپ خود جانتے ہیں۔ کہ جن لوگوں نے قرارداد مقاصد کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ وہ سب دستوریہ کی سب کمیٹیوں میں شریک ہیں۔ ان میں وہ لوگ شامل ہیں۔ جو اسلام کے متعلق اتنا نہیں جانتے کہ وہ ہے کس چیز کا نام، جو نہیں جانتے کہ اسلامی حکومت کیا ہوتی ہے جنہیں نہ قرآن سے تعلق ہے۔ نہ حدیث سے، جو یہ کہتے پھرتے ہیں۔ کہ اسلام کا نظام امریکہ کے نظام سے ملتا جلتا ہے اسلامی دستور سازی کے لئے اس کام کے جاننے والوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ لے دے کے ایک مولانا شبیر احمد عثمانی رح تھے لیکن ان کی وفات پر کسی ایک عالم دین کی خدمات بھی حاصل نہیں کی گئیں۔

اسلامی دستور کا علم رکھنے والوں کو دستوریہ میں شریک کرنے کے بجائے ایک مجلس ادارۂ تعلیمات اسلامیہ کے نام سے قائم کی گئی ہے۔ اس ادارے کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کہ اس کے ذریعے قوم کو دھوکا دیا جائے۔ اور اسے بہلایا جا سکے۔ یہ مجلس دستوریہ سے علیحدہ ایک کمرے میں بیٹھتی ہے۔ اور اس سے جو سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ یہ ان کے جوابات لکھ دیتی ہے۔ یہ سب کچھ در پردہ ہوتا ہے۔ پبلک کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ سوال کیا پوچھے گئے۔ جواب کیا دیئے گئے اور یہ جوابات کتنے کن حصوں کو قبول کیا گیا۔ اور کن کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا۔ ان وجوہ سے اس ادارے کی آئینی اور قانونی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ صرف ایک ڈھکوسلا ہے۔ جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر کچھ علماء خود دستور یہ کے اندر موجود ہوں تو ان کی رائے پبلک کو بھی معلوم ہو۔ لیکن ایک الگ کمرے میں بیٹھ کر کچھ لوگ سوالات کے جوابات جو چاہیں لکھتے رہیں۔ ان کی دستوری حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لوگ کس قسم کا دستور بنا ڈالیں۔ اور وہ کہاں تک اسلامی نظام کے مطابق ہو۔ اور کہاں تک اس کے خلاف ہو۔ ایسی حالت میں اس دستور ساز اسمبلی پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ اسلام کے جاننے والے اس میں شریک نہیں ہیں۔

عوام کو بے بس کرنے کے انتظامات

اس سے بھی زیادہ تشویشناک موجودہ حال یہ ہے۔ کہ حکومت مسلسل اپنے آپ کو ایسے ہتھیاروں سے مسلح کر رہی ہے۔ کہ اگر وہ کوئی ایسا غلط دستور پاس کر کے قوم کے سر منڈھ دے جس کو ملک کی اکثریت قبول کرنے پر تیار نہ ہو، تو قوم اس پوزیشن میں نہ ہو کہ ایسے بدلنے کی کوشش کر سکے۔ بلکہ حکومت کے ہاتھ اتنے مضبوط ہوں۔ کہ وہ جتنے لوگوں کو چاہے پکڑ کر جیلوں میں بند کر دے۔ اس مقصد کے لئے ایک طرف تو سیفٹی ایکٹ اور سرحد کرائم ریگولیشن ایکٹ وغیرہ جیسے قوانین موجود ہیں۔ اور دوسری طرف اسی مدعا کے لئے ایک ایسا قانون بنایا گیا ہے۔ جس کی رو سے حکومت کو یہ اختیار حاصل ہو گیا ہے۔ کہ وہ اپنے جس عہدہ دار ملازم کو چاہے۔ راستے سے ہٹا سکے۔ اس قانون کو اخباری زبان میں پروڈا ایکٹ کہا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر کسی وزیر، گورنر یا کسی سرکاری عہدہ دار کے متعلق یہ شبہ ہو کہ یہ خیانت اور بددیانتی کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو اس پر مقدمہ چلا دیا جائے گا۔ لیکن ہائی کورٹ معاملے کی تحقیقات کرنے کے بعد جو فیصلہ دیگا۔ وہ فیصلہ نہیں ہو گا۔ بلکہ محض ایک رپورٹ ہو گی۔ یہ رپورٹ بھی پبلک کے سامنے نہیں لائی جائیگی۔ بلکہ چپکے سے گورنر جنرل کو بھیج دی جائے گی اور گورنر جنرل کو اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو قبول کریں۔ چاہیں تو رد کر دیں۔

اس ایکٹ کو جو شکل دی گئی ہے وہ صاف صاف شہادت دیتی ہے۔ کہ یہ دراصل اس غرض کے لئے بنایا گیا ہے۔ کہ جو عہدہ دار منشاء عالی کے مطابق کام نہ کریں۔ ان کو دھر لیا جائے۔ اور جن کی روش منشاء عالی کے مطابق ہو وہ چاہے۔ کتنی ہی خیانتیں کریں۔ ان کو نہ پوچھا جائے۔ یہ ایکٹ دراصل نظام حکومت کو خیانتوں اور بددیانتیوں سے پاک کرنے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ صرف وزراء اور عہدے داروں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ چنانچہ آپ جانتے ہیں۔ کہ کن کن بڑے لوگوں نے کیا کیا خیانتیں کی ہیں۔ لیکن کسی کو پوچھا تک نہیں گیا

© rasailojaraid.com

اور اگر کسی کی طرف سے رضاءِ عالی کے خلاف بیتہ تک ہلا تو اسے فوراً جکڑ لیا گیا۔ یہ صرف اس لئے ہے۔ کہ عوام کو مٹھی میں لے لیا جائے اور جس طرح چاہیں۔ ان کو مجبور کیا جا سکے۔

یہ ساری تدابیر اس لئے اختیار کی جا رہی ہیں۔ کہ ہمارے اہل بدعت ایک شدید قسم کی ڈکٹیٹرشپ کے ذریعے عوام پر جو کچھ مسلط کریں۔ وہ اسے برداشت کر لیں۔ اور گاڑی جدھر چل رہی ہے۔ اسے چلنا دیا جائے۔

اب میں آپ کو بتاؤں گا۔ کہ ان حالات میں ہم نے اپنا پروگرام کیا بنایا ہے۔

<u>عام انتخابات کا مطالبہ</u> ہمارے ہاں اس بات کو سوچ سمجھ کر بطور اصول کے اختیار کیا گیا ہے۔ کہ صحیح نظام وہی ہے۔ جو جمہوری طریقوں سے بنایا جائے۔ نہ کہ انقلابی ذرائع سے۔ انقلابی ذرائع سے میری مراد خفیہ سازشیں اور مار دھاڑ کے طریقے ہیں۔ کسی نظام کو بدلنے کے لئے یہ نہایت غلط طریقے ہیں۔ اگر کوئی حکومت عوام پر زبردستی مسلط کر کے طاقت کے بل پر چلائی بھی جائے۔ تو ذہنوں کو اس کے مطابق ڈھلے نہ ہونے کی وجہ سے لازماً خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ کسی نظام کے اصول، اس کے مزاج اور اس کے منشا کو لوگوں کے ذہن میں اتار دیں۔ اور عوام کی غالب اکثریت خود اسے پسند کرنے لگے۔ تو اس طرح کا تغیر پائیدار اور صحیح ہوگا۔ پس ہم چاہتے ہیں۔ کہ سابق نظریے کے اوپر جو نظام قائم ہے اس کو بدلنے کے لئے اور ہم جو نظام چاہتے ہیں۔ اسے قائم کرنے کے لئے سیدھے اور صاف جمہوری طریقوں سے کام کریں۔ ہم خود بھی اس اصول کے پابند ہیں۔ اور حکمرانوں سے بھی درخواست کرتے ہیں۔ کہ براہ کرم ایسے حالات کو ملک میں برقرار رہنے دیجئے کہ سیدھے اور صاف طریقوں سے کام کرنا ممکن رہے۔ ایسے حالات پیدا نہ کیجئے کہ برسر اقتدار لوگ عوام کی مرضی کے خلاف جیسا نظام چاہیں۔ چلا دیں۔ اس میں ملک، قوم، حکومت کسی کی بھلائی نہیں جہاں ایسے حالات قائم رہنے دیئے جائیں کہ عوام کا تبدیل ہو جانا حکومت کے تبدیل ہو جانے کے لئے کافی ہو۔ وہاں بغیر کسی خون خرابے کے، بغیر کسی افراط و تفریط کے، اور بغیر کسی انتہا پسندی کے تغیرات پرسکون طریقے سے ہوتے رہتے ہیں۔ وہاں ان انقلابی ذرائع کو استعمال کرنے کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی جو قومی زندگی کو الٹ پلٹ کے رکھ دیں۔ بلکہ اس قسم کے حالات میں تبدیلیاں ایسے فطری طریق سے آتی ہیں۔ جیسے ایک نابالغ سن بلوغ کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے۔ بہر حال قوم، ملک، حکومت اور اسلام سب کی خیر اسی میں ہے۔ کہ ملک میں جمہوری انقلاب کے لئے راستہ کھلا رکھا جائے اور قوم کو تہ و بالا کر دینے والے انقلاب کی راہ پر چلنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مقصد کے پیش نظر ہماری پہلی کوشش یہی ہے۔ کہ پاکستان بھر میں نئے انتخابات کا مطالبہ کیا جائے ہمیں موجودہ دستور یہ پر یہ اعتماد نہیں کہ وہ اسلامی دستور تیار کر سکتی ہے۔ اس نے اپنی نالائقی کو پوری طرح ثابت کر دیا ہے۔ وہ پارلیمنٹ کی حیثیت میں موجودہ حکمرانوں پر بندش CHECK لگانے کے قابل بھی نہیں ہے۔ بلکہ الٹا ان کی خواہشات کی آلۂ کار بن کر رہ گئی ہے۔ وہ حکمرانوں سے یہ بھی پوچھنے کی جرأت نہیں رکھتی کہ ملک کا خزانہ کس طرح خرچ کیا جا رہا ہے لیے اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ کہ ہمارے حکمران دوسرے ملکوں سے کیا معاملات کر رہے ہیں۔ اور کیسی کیسی ذمہ داریاں قوم کے سر لے رہے ہیں موجودہ دستور یہ میں اتنی جان نہیں ہے۔ کہ وہ ان سے اتنا ہی پوچھ لے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو آخر کس سے پوچھ کر رہے ہو۔

پس ہم چاہتے ہیں۔ کہ عام انتخابات ہوں۔ جن کے ذریعے ایسے لوگوں کو منتخب کیا جائے جو اسلامی دستور کو بنانے اور چلانے کے اہل ہوں۔ اور اس کا عزم رکھتے ہوں۔ ان انتخابات کے نتیجہ میں ایک بہتر قسم کی دستور ساز اسمبلی بھی بنے۔ اور ایک بہتر قسم کی حکومت قائم ہو جو قرارداد مقاصد کے منشا کے مطابق لوگوں کو تعمیری طور پر تیار کرے۔

مرکزی انتخابات کے ساتھ ساتھ ہم چاہتے ہیں کہ تمام صوبوں میں بھی نئے انتخابات ہوں کیونکہ اسلامی نظام زندگی کو قائم کرنے کا کام تنہا مرکز کے کرنے کا نہیں بلکہ صوبوں کی حکومتوں کو بھی اسمیں بہت بڑا حصہ لینا ہوگا۔

انتخابات میں جماعت اسلامی کا فیصلہ شرکت دوسرا فیصلہ ہم نے یہ کیا ہے۔ کہ پنجاب کے انتخابات میں ہم پوری قوت سے شریک ہوں۔ اور اس بات کی کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ صالح لوگ منتخب ہوں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم خود امیدوار نہیں ہیں کہ ذاتی اقتدار کے حصول کیلئے کوشش کریں۔ اور نہ ہم پارٹی ٹکٹ پر اپنا کوئی آدمی کھڑا کریں گے۔ جن لوگوں نے ہمارے متعلق اس طرح کی بدگمانی سے کام لیا ہے ان کی بدگمانی غلط ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ عوام کو اس طرح تربیت دی جائے۔ کہ ان کی نگاہ انتخاب چھٹے ہوئے صالح آدمیوں ہی پر اٹھے اور ان کے اندر یہ تلاش پیدا ہو جائے۔ کہ صالح آدمی کون ہے۔

اب تک تلاش وہ یہ کرتے رہے ہیں۔ کہ ان کی برادری کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ اندھوں کی طرح ان لوگوں کو ووٹ دیتے رہے ہیں جن کو کسی برسر اقتدار راہبر دلعزیز گروہ نے ٹکٹ دے دیا ہے۔ لیکن انہوں نے یہ جائزہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کبھی نہیں لیا۔ کہ جسے وہ ووٹ دے رہے ہیں۔ وہ آدمی کس قسم کا ہے۔ اس کا کیریکٹر کیسا ہے۔ اُس نے ماضی میں کیا کیا۔ اس کا حال کس طرح کا ہے۔ اور اُس سے مستقبل کے بارے میں کیا اُمیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

اب تک ہمارے عوام نے دھوکے کھائے ہیں۔ اُنہوں نے ایسے لوگوں کو منتخب کیا ہے جنہوں نے امانت داری کا ثبوت نہیں دیا۔ بلکہ قوم سے خیانت کی ہے عہدوں سے ناجائز فائدے اُٹھائے ہیں اور قوم کی خدمت کے بجائے ذاتی فائدہ پیش نظر رکھا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کے اندر ایسے لوگوں کو منتخب کرنے کی طلب پیدا ہو جو صالح ہوں اور بھروسے کے قابل ہوں ہم بجائے اس کے کہ ان سے یہ کہیں کہ ہمیں ووٹ دو۔ یہ تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ یہ نظامِ زندگی جو قائم کرنا ہے اس کے لئے آدمی تلاش کرو۔ اب ہندوؤں اور انگریزوں سے لڑنے کا سوال درپیش نہیں ہے کہ چالاک لوگوں کی ضرورت ہو بلکہ اب تو سوال یہ ہے۔ کہ آپ کی زندگی کا نظام قرارداد مقاصد کے مطابق تعمیر کرنے کے لئے موزوں ترین لوگ کون سے ہیں۔

صالح نمائندے کی تعریف

مقصد جب متعین ہے تو اب اس مقصد کے نقطۂ نظر سے دیکھئے کہ اسے پورا کرنے والے لوگ کون ہو سکتے ہیں اس وقت جو متعین مقصد ہمارے سامنے ہے۔ اس کے مطابق ہی صالح نمائندے کی تعریف کی جا سکتی ہے۔ پیشِ نظر مقصد کے لحاظ سے دیکھنے کی چیزیں چار ہیں۔

(۱) اس کی اپنی ذاتی زندگی اور گھر کی زندگی اس پر گواہ ہے کہ وہ حقیقت میں اسلام کو مانتا ہے۔ اور سچے دل سے اس کا پیرو ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ ایک کندۂ ناتراش تک اس بات کو نہ جان سکے۔ کہ کون شخص ایسا ہے جس کی زندگی بتا رہی ہے کہ وہ اسلام کا سچا پیرو ہے۔ اور دھوکے کے طور پر اسلام کا نام لیتا ہے۔

۲۔ گرد و پیش کے جن لوگوں سے اس کے معاملات ہوں، جن سے اس کا لین دین ہو، دن رات کے سابقہ ہو، معاشرت اور ہمسائیگی کا تعلق ہے۔ وہ اس کی ایمانداری کے گواہ ہوں اور وہ اس پر اس حیثیت سے بھروسہ کرتے ہوں کہ وہ جھوٹا آدمی نہیں ہے۔ وہ ناجائز انتفاعات کرنے والا نہیں ہے۔ وہ رشوت نہیں لیتا بلکہ اس کے کیریکٹر پر عام لوگ اعتماد کرتے ہیں۔

کیا فی الواقع لوگ یہ نہیں جانتے ہیں کہ سوسائٹی میں جھوٹے اور حرام خوری کرنے والے لوگ کون ہیں۔ اور سچے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیانتدار کون ہیں! اگر لوگ مرض کا علاج کرانے کے لئے یہ جان سکتے ہیں کہ فلاں ڈاکٹر اچھا ہے مقدمہ لڑنے کے لئے یہ جان سکتے ہیں کہ فلاں وکیل قابل ہے اور خرید و فروخت کرنے کے لئے یہ معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ فلاں تاجر بھروسے کے لائق ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وہ یہی بات نہ جان سکیں کہ اسلامی نظام زندگی کی تعمیر کے لئے ان کے درمیان کونسے لوگ ایسے ہیں کہ جن پر بھروسہ کیا جائے۔

(۳) وہ دین اسلام کو بھی جانتا ہو۔ اور دنیا کو بھی سمجھتا ہو۔ دونوں آنکھیں رکھتا ہو۔ ایک آنکھ کا اندھا نہ ہو وہ جانتا ہو۔ کہ اسلام کے تقاضوں کے مطابق دنیا کے معاملات کس طرح چلائے جا سکتے ہیں۔

(۴) وہ خود امیدوار نہ ہو۔ اور حصول منصب کے لئے خود کسی طرح کی کوشش نہ کرے۔

کوئی شخص ذرا سا بھی غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص اقتدار کی کرسیوں کے لئے خود کوشش کرتا ہے وہ ذمہ داریوں پر نگاہ نہیں رکھتا، بلکہ ان کے ذریعے حاصل ہونے والے فوائد پر نگاہ رکھتا ہے۔ اپنے فائدے کے لئے وہ پبلسٹی کرتا ہے، موٹریں دوڑاتا ہے، دعوتیں کھلاتا ہے، خوشامدیں کرتا ہے، وہ اگر پینتالیس ہزار لگاتا ہے تو اس لئے کہ اس تجارت سے پینتالیس لاکھ کماؤں گا۔

اس معاملہ میں نبی صلعم کے واضح احکام موجود ہیں جیسے کہ آپ نے فرمایا:-

"اس کام (یعنی حکومت) میں ذمہ داری کا منصب کسی ایسے شخص کو نہ دیا جائے جو خود اس کی درخواست یا حرص رکھتا ہو"۔

پھر حدیث میں ہے کہ حضرت ابو موسےٰ اشعری کے ساتھ دو آدمی نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے درخواست کی کہ ان کو کوئی عہدہ دیا جائے اس پر نبی صلعم نے صاف صاف الفاظ میں فرمایا:-

إن أخونكم عندنا من طلبه — تم میں سے خائن ترین وہ ہے جو اس (عہدے) کی درخواست کرے۔

اس پر حضرت ابو موسےٰ اشعری سخت شرمندہ ہوئے کہ میں ان کو کیوں ساتھ لایا۔

اس حدیث نبوی کے مطابق ہم عوام الناس کو تیار کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خود اپنے حلقے یا اس کے باہر ان صفات کے لوگوں کو خود تلاش کریں اور ان سے خود کہیں کہ ہماری نمائندگی کرو۔ پھر تعارف (CONVASSING) اور جد و جہد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"وہ نہ کریں بلکہ یہ کریں۔"[1]

دوسری جماعت کے امیدوار گزشتہ مہینے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے میں نے ایک بات کہی تھی کہ ہمیں دوسری جماعتوں کے آدمیوں سے جماعتی تعصب نہیں ، بلکہ دو چیزیں ایسی ہیں جن کی بنا پر ہمیں اس میں تامل ہے کہ ہم ان کا ساتھ دیں۔

ایک تو یہی امیدواری (CANDIDATURE) کا فتنہ ہے۔ لوگ بنی پارٹیوں کے اندر ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے خاص جدوجہد کرتے ہیں، اور پھر پارٹیاں بھی غیر جانبداری سے ٹکٹ نہیں دیتیں۔ کہ ایماندارانہ طریق سے جائزہ لیں اور اپنے اندر سے بہتر لوگوں کو چھانٹ کر سامنے لائیں۔ پھر ان کے سامنے چھانٹنے کا جو بھی اور کوئی سا بھی معیار ہو، لیکن اسلامی معیار اب تک تو کبھی نہیں تھا

دوسرے ہماری مختلف جماعتوں میں پارٹی ڈسپلن کا ایک بالکل غلط تصور پایا جاتا ہے۔ جو شخص پارٹی ٹکٹ لیتا ہے، وہ بروئے معاہدہ (PARTY PLEGE) ایسے ڈسپلن میں بندھا ہوا ہوتا ہے کہ جس چیز کو اس کا ضمیر حق کہتا ہے وہ زبان سے اس کے خلاف رائے دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس کی مضحکہ خیز مثالیں ہماری دستور ساز میں متعدد بار سامنے آچکی ہیں۔ پچھلے دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک شخص اٹھتا ہے اور ایک چیز کے خلاف دھواں دھار تقریر کرتا ہے لیکن پورے اجلاس میں شروع سے آخر تک اس کی مخالفت کرنے کے بعد جب ووٹ دیتا ہے تو دوسروں کی طرح اس کے حق میں ووٹ دیتا ہے جس پارٹی ڈسپلن میں وہ بندھا ہوا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے وہ کچھ اور کر ہی نہیں سکتا۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس کی رائے ضمیر کی آواز کے مطابق نہیں ہے ، بلکہ وہ بہرحال پارٹی کے حق میں ہے ، چاہے پارٹی راستی پر ہو یا نہ ہو۔ بنابریں جو لوگ اس طرح کے کسی پارٹی ڈسپلن میں بندھے ہوئے ہوں، وہ چاہے شخصی حد تک صالح بھی ہوں اور لوگ بھی انہیں صالح ہی کہیں، تب بھی ہم ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

---

[1] تقریر کے دوران میں ایک سائل کی چٹ کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ :۔

آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ عوام الناس یعنی کسی حلقے کے لوگ خود جس آدمی کے متعلق یہ کہیں گے کہ ہم اس کو مذکورہ بالا معیار کے مطابق، صالح قرار دیتے ہیں تو ہم عوام کا ساتھ دیں گے۔ ان کی نگاہیں اگر جماعت اسلامی کے اندر کے کسی آدمی پر پڑیں تو ہم اسی آدمی کی حمایت کریں گے۔ ہمارے دل اقتدار طلبی سے خالی ہیں، البتہ تم اگر کہیے کہ تم یہ خدمت انجام دو تو ہم انکار نہیں کریں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلے میں جو دوسرے عملی سوالات پیش آئیں گے وہ جیسے جیسے سامنے آتے جائیں گے، ان کو ہم حل کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ بہرحال یہ ایک نیا تجربہ ہے جو ہم کرنے لگے ہیں

غنڈہ پن کا مقابلہ یہ ہم کو خوب معلوم ہے کہ انتخابی جدوجہد کس چیز کا نام ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ میدان کتنا گندہ کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے شرکت انتخاب کے ارادے کے اظہار کے ساتھ ہی ہر طرف سے کیچڑ اچھالی جانے لگی ہے۔ شریف آدمی کے لئے اس میدان میں داخل ہونا ناممکن بنا دیا گیا ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ گندی کیچڑ میں سے ہو کر ہی چلے اور اس پر بہرحال کیچڑ پڑے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ گندے کیرکٹر کے لوگ ہی آگے بڑھیں اور شرافت کو ادھر رخ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

اب جب کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ غنڈہ گردی کی گندگیوں کو ایسی کوششوں کی راہ میں مستقل رکاوٹ بنا دیا گیا ہے جن کا مقصد حکومت کو صالح ہاتھوں میں منتقل کرنا ہو تو ہم بہرحال یہ قربانی بھی دیں گے کہ ان ساری گندگیوں کو برداشت کریں۔ موجودہ غیر اسلامی اقتدار کو گوارا کرنے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں، لہٰذا اسے بدلنے کے لئے لعن طعن کرنے والی زبانوں کی بھی کوئی پروا نہیں کریں گے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کامیاب ہوں گے یا ناکام، لیکن ہم یہ ضرور دکھانا چاہتے ہیں کہ شریف آدمی غنڈہ پن کا کس طرح مقابلہ کرتا ہے۔

معاشی مسائل کا اسلامی حل ہمارا تیسرا اہم فیصلہ یہ ہے کہ ہم معاشی مسائل کو اسلامی طریقہ پر حل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ معاشی مسائل کو حل کرنے میں اربابِ حکومت جس کوتاہی سے کام لے رہے ہیں اس کی وجہ سے طبقاتی آگ بھڑکنے کے آثار ہر طرف شروع ہو گئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کو نہ بھڑکنے دیا جائے۔ ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری کہ ہماری قوم ہندو مسلم کشمکش کے زخم کھا کر نڈھال ہو چکی ہے۔ اس کشمکش کی وجہ سے جیسی کچھ تباہی آئی سب کو معلوم ہے۔ آپ میں کم ہی ایسے لوگ ہوں گے جو اس کے زخم خوردہ نہ ہوں۔ اب ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے اندر طبقاتی جنگ کی آگ بھڑکے اور قوم کو پھر کشمکش اور جنگ کی سی حالت میں مبتلا کر دیا جائے۔

پھر جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ ایک ایسا کامل نسخہ ہمارے پاس موجود ہے جس کے ذریعے آپریشن کئے بغیر صحت ہو سکتی ہے تو اسے کیوں نہ آزما کر دیکھا جائے، اور خواہ مخواہ آپریشن ہی پر اصرار کیا جائے۔ ہم اس نسخے کو آزما کر دیکھنا چاہتے ہیں

یہ واقعہ ہے کہ معاشی مسئلے کا حل اسلامی طریق پر صحیح معنوں میں اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ سیاسی اقتدار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صالح ہاتھوں میں موجود ہو۔ سیاسی اقتدار کے بغیر اس مسئلے کو پوری طرح حل نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم موجودہ حالات میں جب کہ اقتدار صالح ہاتھوں میں موجود نہیں ہے اور جن کے ہاتھ میں اقتدار ہے وہ یا تو کرنا چاہتے نہیں یا کرنا جانتے نہیں، ہم اپنی استطاعت کے مطابق سیاسی طاقت کے بغیر اصلاح کے لئے جو کچھ کرسکتے ہیں اس پر پوری طرح توجہ دیں گے۔

اس وقت ہمارے سامنے بڑے دو مسائل ہیں

جاگیرداری و زمینداری | پہلا مسئلہ جاگیرداری و زمینداری کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ پچھلے ڈیڑھ مہینے کے دوران میں ہمارے مسلک کو نہایت غلط طریقے سے پیش کیا گیا ہے کہ ہم جاگیرداری کو جوں کا توں قائم رکھنا چاہتے ہیں اور ہم جاگیرداروں کے پشت پناہ ہیں۔ بعض لوگوں نے بڑے وثوق کے ساتھ یہ اطلاعات نشر کیں کہ بڑے بڑے جاگیردار جماعت کے مرکز میں آکر ہم سے مل رہے ہیں ۔۔۔۔۔ شاید گھر سے چلتے ہوئے وہ ان حضرات کے نام پوسٹ کارڈ لکھ کر ڈال دیتے ہوں گے کہ ہم فلاں لوگوں سے ملنے جارہے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ اصل مسئلہ یہ نہیں کہ آئندہ جاگیریں اور زمینداریاں قائم کی جائیں یا نہیں، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ پہلے سے جو جاگیریں اور زمینداریاں چلی آرہی ہیں ان کا کیا ہو۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ جاگیریں اسلام کا جزو لازم ہیں، اور وہ ضرور قائم کی جائیں۔ یہ تو حکومت کا حق ہے اور وہ چاہے تو آئندہ کے لئے اسے جاری نہ رکھے۔

سوال صرف اتنا ہے کہ پہلے سے جو جاگیریں اور زمینداریاں چلی آرہی ہیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اس معاملے میں محض یہ بات کہ اخبارات کسی طبقے کے خلاف لکھ رہے ہیں یا عوام شور مچا رہے ہیں اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ کسی طبقے کے حقوق ختم کر دیئے جائیں اور اس کی املاک ضبط کرلی جائیں۔ اس اصول کو اگر ایک دفعہ مان لیا جائے تو پھر معاملہ جاگیروں پر ہی ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد اور مطالبے ہوں گے۔ کچھ عجب نہیں کہ کل اس بات کے لئے شور مچے کہ فلاں شخص کی آزادی سلب کرلی جائے اور پھر پرسوں اس بات کے لئے ہنگامہ برپا کیا جائے کہ فلاں کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ جہاں کوئی اصول و قانون نہ ہو، بلکہ محض شور اور ہنگامے کو اصول مان لیا جائے وہاں تو انسانی حقوق میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ کوئی معاملہ کرنے کے لئے یہ بھی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے کہ پچھلا نظام چونکہ غلط تھا اس لئے اس کے کئے ہوئے سارے معاملات کالعدم قرار پانے چاہئیں۔ اس بنیاد کو اگر صحیح تسلیم کیا جائے تو ایک ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کپڑا جو آپ پہنے ہوئے ہیں اس کی تاریخ کا کھوج لگانا ہوگا، اور پھر زمین ہی نہیں ساری ملکیتوں ——— مکانوں موٹروں، کپڑوں کے متعلق یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ یہ سب کا سب چھین لینا چاہیئے۔ دراصل عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اس قسم کی مبالغہ انگیز باتیں کی جاتی ہیں۔

کوئی معقول آدمی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ بجائے خود یہ فعل کہ حکومت خدمت یا کام کے بدلے میں کسی کو زمین عطا کرے، فی نفسہٖ جائز ہے۔ اگر ایک حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ خدمت کے معاوضے میں روپیہ سواری یا مکان کسی کو دے تو کوئی معقول دلیل اس امر کے حق میں نہیں ہے کہ حکومت زمین نہ دے، اگرچہ زمین دینا کوئی فرض بھی نہیں ہے۔ محض اس بنا پر کہ کسی حکومت نے کسی زمین کو دیا ہے اسے ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا جو کام خود نبی صلعم نے کیا ہو، اکابر صحابہ نے کیا ہو اسے ناجائز کہنے میں کچھ تو تامل کرنا چاہیئے۔

جاگیروں کی تحقیق کیلئے تین اصول

البتہ سوال یہ اٹھانے کا ہے کہ اگر حکومت نے اگر عطیہ دیا ہے تو وہ جائز قسم کا ہے یا ناجائز قسم کا۔ جوابات میں بار بار کہتا رہا ہوں اور جسے مجلس شوریٰ نے بھی اپنے ریزولیوشن میں بیان کر دیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جائز اور ناجائز کی تحقیق کی جائے اور اس تحقیق کے لئے تین اصول ہیں۔

۱۔ حکومت نے جو عطیہ کسی کو دیا ہے وہ کس قسم کی زمینوں میں سے دیا ہے۔ آیا غیر مملوکہ افتادہ (موات) زمینوں میں سے یا سرکاری مقبوضہ (خالصہ) زمینوں میں سے۔ یا کیا لوگوں کی مملوکہ زمینیں چھین کر کسی کو عطیہ دیا ہے اور اصل مالکوں کو کاشتکار بنا دیا ہے۔

اگر پہلی دو قسم کی زمینوں میں سے دیا ہے تو اس پہلے اصول کی حد تک معاملہ جائز ہے۔ لیکن اگر تیسری قسم کی زمینوں میں سے دیا ہے تو وہ قطعاً ناجائز ہے اور اسے منسوخ ہونا چاہیئے۔ یہی کام حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کیا تھا۔

۲۔ جاگیروں کو جانچنے کے لئے دوسرا اصول یہ ہے کہ حکومت نے عطیہ کن خدمات اور کس قسم کی اغراض کے لئے دیا ہے آیا پبلک کی حقیقی خدمات کے صلے میں دیا یا پبلک مفاد کے خلاف؟ اگر پبلک مفاد کے لئے کوئی صلہ دیا گیا ہو اور وہ "موات" اور "خالصہ" زمینوں میں سے دیا گیا ہو تو وہ جائز ہوگا، لیکن پبلک مفاد کے لئے بھی اگر لوگوں کی مملوکہ زمینوں کو زبردستی کسی کے لئے جاگیر بنا دیا گیا ہو تو جائز اغراض کے لئے دیا ہوا عطیہ بھی ناجائز ہوگا۔ رہے وہ عطیے جو پبلک کے مفاد کے خلاف حکمراں طاقت نے اپنے مفاد کے لئے دیئے ہوں وہ سراسر ناجائز ہیں ——— چاہے جائز قسم کی زمینوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کیوں نہ دیئے گئے ہوں۔

۴:- کسی عطیہ کے جائز ہونے کے لئے یہی کافی نہیں ہے کہ وہ جائز زمین میں سے جائز پبلک خدمات کے لئے دیا گیا ہو، بلکہ تیسری بات تحقیق کرنے کی یہ بھی ہے کہ اعتدال سے دیا گیا ہو، بے اعتدالی سے نہ دیا گیا ہو۔ میں یہ واضح کردوں کہ اسلام میں اعتدال کی شرط کے معنی یہ ہیں کہ اصول کفالت کے مطابق عطیہ اس حد تک دیا گیا ہو کہ متوسط درجہ کی صالح زندگی گذاری جاسکے۔ نہ یہ کہ ایک شخص بیس بیس موٹریں رکھ سکے اور اس کے ایک ایک کتے کو دودھ پلانے کے لئے ایک ایک گائے بندھی ہو۔ کفالت کی حد سے زائد اگر عطیہ دیا گیا ہو تو وہ بے اعتدالی کی تعریف میں آتا ہے، اور اس میں سے صرف معتدل حد تک کہ جتنا ایک شخص کی کفالت (PROVIDE) کرنے کے لئے کافی ہو، باقی رکھ کر بقیہ کو واپس لے لینا چاہیئے۔

میں اور میری جماعت یہ چاہتی ہے کہ اس مسئلے کو اس طرح حل کیا جائے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس پر کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ ہماری دانست میں ملک میں کوئی عالم دین ایسا نہیں ہے جو اس اصول کو تسلیم نہ کرتا ہو کہ اسلام کے دیئے ہوئے بنیادی حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ کسی شخص کے قبضے سے کوئی چیز اس وقت تک نہ نکالی جائے جب تک قبضہ ناجائز ثابت نہ ہو یا کوئی ایسا جرم نہ عائد ہوجائے جس کی وجہ سے حکومت کو اس کی ملکیت کے سلب کرنے کا حق پہنچتا ہو۔ اس اصول کے ہوتے ہوئے جب تک کہ باقاعدہ تحقیقات سے ثابت نہ کردیا جائے کہ فلاں فلاں عطیات ناجائز ہیں، میں آخر کس بنا پر چند اخبارات کے شور مچانے پر اسلام کے اصولوں کو بدل دوں۔[1]

زمینداروں اور مزارعان کے تعلقات کی اصلاح

اس کی چھان بین کے بعد جن لوگوں کے پاس بھی زمینیں رہ جائیں ان کو مطلق العنان نہیں چھوڑا جاسکتا کہ وہ اپنے مزارعوں پر جس طرح چاہیں ظلم و ستم کرتے رہیں جس طرح اب تک کرتے

[1] اس مرحلے پر تقریر کے دوران میں یہ سوال کیا گیا کہ جو جاگیریں جائز مقاصد کیلئے دی گئی تھیں لیکن ان کا استعمال اب اصل مقاصد کے لئے ہو ہی نہیں رہا تو ان کا کیا ہوگا؟ اس پر مولٰینا نے فرمایا کہ ایسی جاگیریں جو خدمات کا صلہ نہ ہوں بلکہ کسی جائز خدمت کو جاری رکھنے کے لئے دی گئی ہوں، ان کے بارے میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس خدمت کو اب بھی جاری رکھنا مطلوب ہے یا نہیں؟ اگر مطلوب نہ ہو یا ان کا استعمال صحیح نہ ہو رہا ہو تو ان کو واپس لیا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے ہیں ۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کو اسلامی حدود کا پابند بنایا جائے اور ان کے وہ تمام حقوق ساقط کر دیئے جائیں جو انہوں نے زبردستی قائم کر رکھے ہیں ۔

اسلامی حدود کا مطلب یہ ہے کہ سیدھی طرح صفائی سے زمینداروں اور کاشتکاروں کے درمیان شرکت کا معاملہ ہونا چاہیئے ۔ اگر بٹائی اور لگان کے معاملہ میں افراط و تفریط ہو رہی ہے تو حکومت کو چاہیئے کہ وہ قانونی طور پر افراط و تفریط کو روک دے اور جائز منصفانہ شرح مقرر کر دے ۔ اس مقررہ شرح سے زائد ایک حبہ وصول کرنے کی جرات کسی کو نہ ہو اس کے علاوہ عشر و زکوٰۃ کی تحصیل کا باقاعدہ انتظام کیا جائے تاکہ اس سے مستحقین کی ضروریات پوری ہوں ۔ وراثت کا اسلامی قانون جاری ہو اور زمینوں کو بانٹ کر مستحقین تک ان کے حق پہنچائے جائیں ۔

زمینداریوں کا جائزہ یہی معاملہ زمینداریوں سے بھی کرنا پڑے گا ۔ ان پر بھی باقاعدہ نگاہ ڈال کر دیکھا جائے کہ ان کی نوعیت کیا ہے ۔ زمینداریوں کی ہمارے ہاں دو قسمیں پائی جاتی ہیں

ایک وہ جو یا تو کسی نے خود خریدی ہوں یا وراثت میں پائی ہوں اور یہ پتہ چلانا ممکن ہی نہ ہو کہ ان کی اصل کیا ہے ۔

دوسری وہ جن کی حیثیت مالگذاری کی ایجنسیوں کی تھی اور بعد میں ان کے مالکانہ حقوق دیئے گئے ۔ اس قسم کے زمیندار دراصل تحصیل کے ایجنٹ تھے انہوں نے حقوق ملکیت بے جا طور پر حاصل کئے ہوئے ہیں ، لہٰذا یہ منسوخ ہو جانے چاہئیں ۔ اس قسم کی زمینداریوں کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ جائز ملکیتیں صرف وہ ہیں جن کو یا تو خود کسی نے خریدا ہو یا میراث میں پایا ہو ۔

اسلام میں جاگیرداریوں اور زمینداریوں کی اصلاح کے لئے ان اصولوں پر باقاعدہ کارروائی کئے بغیر اور کوئی طریقہ نہیں ہے ۔ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ قرآن اور احادیث کے سوا اور کسی چیز کو حجت ماننے کے لئے میں ہرگز تیار نہیں ہوں جو لوگ باہر کے نظریات سے مرعوب ہیں اور باہر کے نظریات لا کر میرے سامنے رکھتے ہیں ، ان سے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اسلام سے باہر کے نظریات کو میں قبول نہیں کر سکتا ۔ میرے لئے صرف قرآن اور احادیث حجت ہیں ۔

محنت پیشہ طبقے دوسری طرف ہمارے سامنے محنت پیشہ اور محنت کش طبقے کا مسئلہ ہے ۔ ہم اس اصول کے قائل ہیں کہ جو کوئی محنت پیشہ اور محنت کش طبقوں سے محنت لیتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ محنت کرنے والے کی ضروریات کو پورا کرے چاہے وہ محنت کش کسی کارخانہ کا مزدور ہو یا حکومت کے کسی محکمہ کا ملازم ۔ ہم اس کو جائز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص تو دو ہزار، چار ہزار روپے ماہانہ وصول کرے، چاہے وہ ایک بیوی اور ایک ہی بچے کی کفالت کا ذمہ دار ہو، اور دوسری طرف وہ محنت کش جس کی پوری قوتیں آپ لیتے ہیں اس کے کنبے کے افراد چاہے کتنے ہی زیادہ ہوں، پچیس روپے ماہوار پر کام کرے۔ یہ بالکل کھلی کھلی زیادتی ہے۔ قابلیتوں میں تفاوت ہو سکتا ہے اور اس کا جائز حد تک لحاظ کیا جا سکتا ہے یہ بلاشبہ زیادتی ہوگی کہ ایک کام میں جس میں زیادہ قدر و قیمت کی محنت کرنی پڑتی ہو اسے اس کام کے برابر قرار دیا جائے جس میں کم قدر و قیمت کی محنت کرنی پڑے۔ لیکن یہ بھی غلط ہے کہ کسی کا پورا وقت لینے کے بعد اس کی ضروریات کی کفالت نہ کی جائے

ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ کی تقسیم اور وصولی کا باقاعدہ انتظام کیا جائے اور حکومت اس امر کی ذمہ دار ہو کہ کوئی شخص حقیقی ضروریات سے محروم نہ رہنے پائے۔

فوری پروگرام ظاہر بات ہے کہ جب تک سیاسی اقتدار نہ ہو اس پروگرام پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت ایسی ہونی چاہیے جو ان اصلاحات کو عملاً نافذ کرے۔ حکومت کے ذرائع و وسائل کو ہاتھ میں لئے بغیر نہ تو جاگیرداروں اور زمینداروں کی جہان بین کا کام کرنا ہمارے لئے ممکن ہے نہ محنت کش طبقے اور سرکاری ملازمین کے حقوق کو اسلام کے مطابق بحال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب تک یہ نہیں ہوتا، ہم چاہتے ہیں کہ غیر سیاسی اور غیر سرکاری حیثیت سے جو کچھ ممکن ہو وہ کریں۔

ہم دیہات میں جا کر زمیندار اور مزارع کے درمیان اسلام کے مقرر کردہ حقوق کا احترام پیدا کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ غلط اور ناجائز چیزوں کو رضاکارانہ طور پر چھوڑ دیں اور صرف جائز اور صحیح کو قائم رکھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جو مالکان زمین اصلاح پذیری پر تیار نہ ہوں، ان کو ظلم سے روکنے کے لئے ہم کاشتکاروں کو اسلامی طریق پر منظم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ دباؤ ڈالنے کی ممکن جائز صورتیں اختیار کر سکیں۔

دباؤ ڈالنے کے معاملے میں ہمارے اور غیر اسلامی نظریات رکھنے والوں کے درمیان ایک فرق ہے۔ ان کا مقصد دباؤ ڈالنے سے یہ ہوتا ہے کہ طبقاتی کشمکش کی آگ مشتعل ہو اور ایک مسئلہ حل ہو تو کوئی اور خرابی پیدا ہو جائے اور کسی صورت میں جھگڑا نمٹنے نہ پائے۔ ہم دباؤ اس لئے ڈالنا چاہتے ہیں کہ جائز حقوق اور جائز مطالبات تسلیم کر لئے جائیں اور جو مسائل در پیش ہیں وہ حل ہوں تاکہ آگ بھڑکنے کی بجائے بجھے۔ دباؤ ڈالنے میں ہمارے اور ان کے درمیان فرق ضرور ہوگا، لیکن دباؤ ڈالنا انہیں کا اجارہ نہیں۔

کاشتکاروں کے علاوہ محنت کش طبقوں کو بھی ہم منظم کرنا چاہتے ہیں، اور کوشش یہ کریں گے کہ دو الگ طبقوں کی حد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جداگانہ تنظیموں کے بجائے مشترکہ تنظیمیں قائم ہوں، جن کے ماتحت ایسے مصالحتی بورڈ بنائے جائیں جو مستاجروں کو آمادہ کریں کہ وہ بیگر پولیس اور قانون کے زور کے انصاف کو قبول کریں۔ لیکن اگر یہ لوگ مصالحانہ طریقوں سے اصلاح پر آمادہ نہ ہوں تو ان پر بھی ہم تمام ممکن اور جائز طریقوں سے دباؤ ڈالیں گے۔

اخلاقی فیاضی کی اہمیت میں اس بات کی تشریح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم اخلاق کی اہمیت پر کیوں زور دیتے ہیں۔ دراصل روزمرہ کے انسانی معاملات میں کام چلانے کا حقیقی ذریعہ اخلاقی فیاضی کو ہے اتنا قانون کو نہیں ہے۔ اگر ایک میاں بیوی یہ طے کر لیں کہ وہ صرف قانون کے دیئے ہوئے حقوق پر معاملہ کریں گے اور ہر وقت وہ قانون کی کتاب ہاتھ میں لئے ہوئے ہوں تو دو دن بھی زیادہ نباہ ممکن نہیں ہے۔ انسانی زندگی اگر درست ہو سکتی ہے اور معاملات اگر درستی سے طے پا سکتے ہیں تو صرف اخلاقی فیاضی کے بل پر۔ اخلاقی فیاضی سے صالح تمدن پیدا ہوتا ہے جس میں کش مکش نہیں ہوتی بلکہ تعاون کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ قانون کے زور سے صالح تمدن پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم سوسائٹی میں اخلاقی فیاضی پیدا کرنے کے لئے مسلسل کوشش کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگ صرف قانون کی کتاب اور لکھے ہوئے معاہدوں پر ہی ہر معاملے کا فیصلہ نہ کریں بلکہ باہم مصالحانہ طریقوں سے کام لیں۔ یہ سپرٹ اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک خدا ترسی اور اخلاقی فضیلت لوگوں میں پیدا نہ ہو۔ پس ہماری اولین کوشش یہ ہے کہ جھگڑے جلدی سے جلدی نمٹیں اور لوگوں میں مصالحانہ تعلقات پیدا ہوں اور تمام معاملات زیادہ سے زیادہ صالح بنیادوں پر استوار ہوں۔

حضرات! یہ ہے وہ کام جسے ہم کرنا چاہتے ہیں

حرف آخر اگر آپ کو یہ یقین ہے کہ یہ کام صحیح ہے تو پھر آپ کا اپنی جگہ پر بیٹھا رہ جانا غلط ہے۔ صدیوں سے یہ ایک کشمکش ہے جو سنت اور بدعت کے درمیان چلی آ رہی ہے اب ہر شخص کو فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اس کا تعاون کس کے ساتھ ہے۔ یہ کشمکش اگر یونہی جاری رہی اور اہل سنت کے مقابلے میں بدعت کو پورے اختیارات اور اس کی جڑیں مضبوط ہو گئیں تو پھر یہاں بھی ترکی کے سے حالات رونما ہونگے کہ وہاں فریضۂ حج ۲۰ سال تک بند رہا اور اہل دین دم بخود بیٹھے رہے۔ مسلمان عورتیں عیسائیوں کے لباس میں ہسپانیہ سمندروں کے کنارے غسل کرنے لگیں۔ اور مسلمان علماء کچھ نہ کر سکے۔

جن لوگوں کی ہمدردیاں بدعت کے ساتھ ہیں وہ پہلے نکل جائیں کیونکہ ان کا ساتھ دیں لیکن جو لوگ سنت کے مسلک کو صحیح سمجھتے ہوں اور یہ بھی جانتے ہوں کہ ہم سنت ہی کو قائم کرنے کیلئے اٹھے ہیں ان کا فرض ہے کہ اپنی قوتوں اور قابلیتوں کو اس مقصد پر صرف کریں

(مرتبہ نعیم صدیقی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیں کس مقام پر لا کے کھڑا کر دیا گیا ہے؟

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

مولانا نے اپنی یہ تقریر لاہور کے جلسۂ عام میں ۲۴۔ جولائی سنہ ۱۹۵۰ء کو پیش فرمائی تھی۔ اسے نوٹس کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ لیکن مولانا کو نظرثانی فرمانے کا وقت نہیں ملا۔ الفاظ میں ممکن ہے کہ کچھ تصرف ہو گیا ہو، لیکن مفہوم کو جوں کا توں پیش کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کے اپنے الفاظ اور اسلوب کو زیادہ سے زیادہ حد تک برقرار رکھا جائے۔

(ن۔ ص)

بعد حمد و ثنا فرمایا:

حاضرین و حاضرات! ایک طویل مدت کے بعد پہلی مرتبہ موقع مل رہا ہے کہ آپ کے سامنے میں کچھ اظہارِ خیال کروں۔ قدرتی طور پر اس پہلے موقع کے تقاضے کی وجہ سے بیشمار باتیں دماغ کے سامنے ہیں، اور ہر بات مطالبہ کر رہی ہے کہ اسے آپ تک پہنچایا جائے۔ ان بیشمار باتوں میں سے اس مختصر سی فرصت میں تھوڑی سی باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ بظاہر میرے لئے یہ انتخاب کرنا بھی مشکل ہے کہ کیا باتیں کہی جائیں اور کونسی باتیں نظرانداز کی جائیں۔ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ میرے بیان کے اندر آپ کو کچھ پریشانی اور الجھاؤ محسوس ہو، لیکن طویل غیر حاضری کے بعد صورتِ حال کا یہ قدرتی تقاضا ہے۔

ایک معقول، سنجیدہ اور صحیح الدماغ آدمی کے لئے، صحیح اور معقول رویہ یہ ہے کہ کفر و ایمان اور اسلام اور جاہلیت میں سے جس پر اس کا قلب مطمئن ہو جائے، اپنی زندگی کی رہنمائی کے لئے اسی کو اختیار کر لے، اور پھر پوری عزیمت، پورے استقلال اور پوری مردانہ جرأت کے ساتھ اپنے آپ کو اس کی رہنمائی میں دے دے۔ وہ جس چیز کو

© rasailojaraid.com